QUARTERLY, PEER REVIEWED
al-amir
ISSN(P): 2790-931X ISSN(E): 2790-9328
E-Mail: editor.alamir@gmail.com

مرزاداغ کے نعتیہ اسلوب کے اقبال پر اثرات

Impacts Of Mirza Dagh's Nautiya Style On Iqbal's Poetry

Dr. Syeda Tayyaba Rubab
Assistant Professor, Dept. of Urdu, Govt. Graduate College for Women, karkhana Bazar Faislabad Email: zakisyed01@gmail.com
Hafiz Muhammad Abdullah
Doctoral Candidate, Department of Islamic Studies, Lahore Garrison University/ SST, WAPDA Inter College Mangla Dam Mirpur AJK Email: hafizmuhammadabdullah53@gmail.com
Dr Anwar Ullah
lecturer, Akram Khan Durrani College , Bannu. dranwarullah75@gmail.com

The linguist poet of the ambassador of Dehli literary society, Nwab Mirza Khan Dagh does not need any preamble. Iqbal accepted some artistic impacts of Mirza Dagh.He is a romantic poet but he was also effected by revolution of 1857.He narrated the cultural defeat in his poetry. We also can find the cultural defeat in Iqbal's poetry as well. Iqbal paid tribute to Mirza Dagh at his death with deep grief and in an impressive way.

As an artist, the use of developed language precision continuity and idiomatic phrases is Dagh's distinctive style, the same style of Mirza Dagh is also available in his Nautiya poetry. Although it is not recognition of Dagh but his style is striking researchable. We can also come across the technical effects of his Nautiya style in Iqbal's poetry. Iqbal has also saluted to his artistic climax. In this article the effort has been accomplished to explain Mirza Dagh's impacts on Iqbal

Keywords: Allama Iqbal, Mirza Dagh, Na'at, poetry Praise of Prophet Muhammad ﷺ.

DOAJ
Academic Resource Index ResearchBib
Journament
CiteFactor
اردو جرائد اشاریہ
Electronic Object Identifier
I2OR
Cosmos

نعت کا فن:

نعت ذکر رسول کے شعری بیان کا نام ہے۔ اعلیٰ شاعری سنجیدہ فکر اور پختہ فن کے بغیر وقوع پذیر نہیں ہو سکتی۔ جہاں تک فن نعت گوئی کا تعلق ہے تو یہ کوئی کار سہل نہیں تمام شعرا ادبا اور علمانے اسے مشکل ترین صنف شمار کیا ہے۔ اگر تخلیق کار منصب رسالت و نبوت سے ذرا آگے بڑھتا ہے تو الوہیت کی سرحد تک جا پہنچتا ہے اور پیچھے ہٹتا ہے تو تنقیص رسالت کا خطرہ لاحق رہتا ہے۔ اس لیے شاعر کو وادی نعت میں پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑتا ہے یہی وجہ ہے کہ غالب جیسا قادر الکلام شاعر بھی غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتم کہہ کر اپنے عجز کا اظہار کرتا نظر آتا ہے اور کوئی بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر کہہ کر بات تمام کرتا دکھائی دیتا ہے۔ نعت کا فن دوسری اصناف سخن کے برعکس بہت سی شرائط کا حامل ہے۔ نعت گو شعرا کے لیے ان معیارات ومقتضیات کالحاظ رکھنالازم ہے۔

نعت رسول اللہ سے عشق وعقیدت کا شعری اظہار ہے اور یہ اظہار اسی زبان میں کیا جاتا ہے جو عام شعری اظہار کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔ عشق رسالت کا یہ جذبہ ہر مسلمان کے دل میں ہر لحہ جلوہ گر رہتا ہے مگر محض جذبہ تخلیق شعر کے لیے کافی نہیں ہوتا اس کے لیے ایک صاحب نظر اور نبوت شناس فن کار کی ضرورت ہوتی ہے جو اس مقدس جذبے کو شعر کے قالب میں ڈھالنے کا ہنر جانتا ہو۔ اعلیٰ فکر اور فنی مہارت کے ملاپ ہی سے ایک عمدہ فن پارہ ظہور پذیر ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر فرمان فتح پوری کچھ اس طرح رقم طراز ہیں۔

> "شعری تخلیق میں صرف موضوع کو اہمیت حاصل نہیں ہوتی بلکہ موضوع کو برتنے کا سلیقہ بھی خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اس سلیقے کا دوسرا نام انداز بیان یا اسلوب ہے۔ یہ اسلوب فن کار کی شخصی قوتوں اس کی تخیلی ندرتوں اور فنی مہارتوں کے سہارے ظہور پذیر ہوتا ہے۔ اور یہی کسی تخلیق کو ادنی و اعلیٰ وقتی و دائمی یا صحافتی وادبی مرتبوں پر فائز کرتا ہے لیکن اس کا یہ مفہوم ہر گز نہیں کہ موضوعات وواقعات یکسر غیر اہم ہوتے ہیں یقیناً بعض موضوعات اہم بعض کم اہم اور بعض اہم تر ہوتے ہیں صرف یہ کہ شاعری میں ان کی اہمیت کا انحصار عام طور پر دل کش فنی اسلوب پر ہوتا ہے۔"[1]

فن نعت کی تکمیل کے لیے جہاں شاعر کا باکمال فن کار ہونا ضروری ہے وہیں اسے علم دین کے مبادیات سے بھی بخوبی آگاہ ہونا چاہیے کیوں کہ اس کے بغیر تکمیل فن کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔ شرعی حدود و قیود کے التزام کے ساتھ جو کلام ظہور پذیر ہو گا وہی مستند مانا جائے گا۔ یہ اہتمام وہی کر سکتا ہے جو واقف احکام شریعت اور راز دار منصب الوہیت و نبوت ہو اور جس کا علم جس قدر راسخ ہو گا اس کی شاعری اسی قدر معیاری ہو گی بشر طیکہ اسے فن پر بھی مہارت ہو کیوں کہ محض جذبہ شعر کے لیے کافی نہیں ہوتا۔ ذیل میں چند اہل علم و دانش کی آراء درج کی جاتی ہیں جن میں فن نعت کے بارے میں اظہار خیال کیا گیا ہے۔ معروف نعت گو و نعت شناس ڈاکٹر ریاض مجید فن نعت کو کس نظر سے دیکھتے ہیں؟ ذرا ملاحظہ کیجیے:

> "مروجہ اصناف سخن میں نعت نہایت مشکل صنف سخن ہے۔ نعت کا موضوع بظاہر آسان عام اور قریب|موضوع لگتا ہے لیکن اگر فن نعت کی باریکیوں کا بغور جائزہ لیا جائے تو پتہ چلے گا کہ اس موضوع سے عہدہ براہونا آسان نہیں۔"[2]

اردو کے معروف شاعر مجید امجد اس ضمن میں رقم طراز ہیں۔

---

[1] Farmān Fatehpūri, Urdu ki Natiah Shāiry, (Lahore: Al-waqār Publications), 25.

[2] Riaz Majeed, Urdu main Nat Gūi, (Lahore: Iqbal Academy, 1990 AD), 18.

"صنف نعت ایک نہایت ادق اور نہایت دقیع صنف ہے۔ شعر اور اس کے اوزان میں جکڑے ہوئے الفاظ کا سلسلہ اپنی تمام تر اثر اندازیوں کے باوجود توصیف رسالت کے اظہار کے مقام پر آکر عاجز ہو جاتا ہے.... جناب رسالت مآب کی تعریف میں ذرا سی لغزش نعت گو کو حدود کفر میں داخل کر سکتی ہے۔ ذرا سی کوتاہی مدح کو قدح میں بدل سکتی ہے ذرا سا غلو ضلالت کے زمرے میں آسکتا ہے۔ ذرا سا عجز بیاں اہانت کا باعث بن سکتا ہے۔ فن شعر کے لحاظ سے اس کام کے لیے کمال سخن وری اور نفس مضمون کے لحاظ سے اس کے لیے کمال آگاہی درکار ہے۔"[3]

ڈاکٹر فرمان فتح پوری اس سلسلے میں کیا کہتے ہیں؟ ملاحظہ کیجیے

"نعت کا موضوع ہماری زندگی کا ایک نہایت عظیم و وسیع موضوع ہے۔ اس کی عظمت و وسعت کی حدیں ایک طرف عبد سے دوسری طرف معبود سے ملتی ہیں شاعر کے پائے فکر میں ذرا سی لغزش ہوئی اور وہ نعت "کی بجائے گیا" حمد و منقبت "کی سرحدوں میں۔ اس لیے اس موضوع کو ہاتھ لگانا اتنا آسان نہیں جتنا عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔ حقیقی نعت کا راستہ بال سے زیادہ باریک اور تلوار کی دھار سے زیادہ تیز ہے۔"[4]

صنف نعت یقیناً ایک نازک صنف ہے اس کی نزاکت کا احساس ہر اس شاعر نے کیا ہے جو آداب بارگاہ رسالت سے واقف ہے۔ ناقدین نعت بھی نعت گوئی کے فن پر خامہ فرسائی کرتے وقت اس پہلو کو زیر بحث لاتے ہیں نعتیہ ادب کا بغور مطالعہ کرنے سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ فن نعت کی تمام تر نزاکت واحتیاط کے باوجود ہمارے نعت گو شعرانے نہایت عمدہ نعتیہ کلام کے نمونے تخلیق کیے ہیں جو ہر لحاظ سے فن نعت کے معیارات پر پورے اترتے ہیں۔ تاہم کسی میں تعلی کی ہمت نہیں نہ ہی کوئی اپنے فن پر اتراتا نظر آتا ہے۔ ہر کوئی اظہار عجز کرتے ہوئے بارگاہ نبوی میں عقیدت کے صنف نعت یقیناً ایک نازک صنف ہے۔ اس کی نزاکت کا احساس ہر اس شاعر نے کیا ہے جو آداب بارگاہ رسالت سے واقف ہے۔ ناقدین نعت بھی نعت گوئی کے فن پر خامہ فرسائی کرتے وقت اس پہلو کو زیر بحث لاتے ہیں نعتیہ ادب کا بغور مطالعہ کرنے سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ فن نعت کی تمام تر نزاکت و احتیاط کے باوجود ہمارے نعت گو شعرانے نہایت عمدہ نعتیہ کلام کے نمونے تخلیق کیے ہیں جو ہر لحاظ سے فن نعت کے معیارات پر پورے اترتے ہیں۔ تاہم کسی میں تعلی کی ہمت نہیں نہ ہی کوئی اپنے فن پر اتراتا نظر آتا ہے۔ ہر کوئی اظہار عجز کرتے ہوئے بارگاہ نبوی میں عقیدت کے پھول نچھاور کرتا ہے اور شاعر کے ساتھ ساتھ الفاظ بھی جھک جاتے ہیں۔ بقول مجید امجد:

"شعر اور اس کے اوزان میں جکڑے ہوئے الفاظ کا سلسلہ اپنی تمام اثر اندازیوں کے باوجود، توصیف رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اظہار کے مقام پر عاجز ہو جاتا ہے۔"[5]

داغ دہلوی کا تعارف:

داغؔ کا اصل نام ابراہیم تھا لیکن وہ نواب مرزا خان کے نام سے جانے گئے۔ وہ 1831 میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ داغؔ ایسے خوش قسمت شاعر تھے جس کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی۔۔ پنجاب میں علامہ اقبال، مولانا ظفر علی، مولوی محمد الدین

---

[3]Sabeeh Rahmāni, Majeed Amjad sinf-e-Nat Mashmūla Urdu Nat ki Sheri Riwāyat, (Karachi: Academy Bazyāft, 2016AD), 301.

[4] Farmān Fatehpūri, Urdu ki Natiah Shāiry, 10.

[5]Sabeeh Rahmāni, Majeed Amjad sinf-e-Nat Mashmūla Urdu Nat ki Sheri Riwāyat, 302.

فوق اور یوپی میں سیماب صدیقی، اطہر ہاپوڑی، بیخود دہلوی، نوح ناروی اور آغا شاعر وغیرہ سب ان کے شاگرد تھے۔ نواب حیدر آباد نے ان کو بلبلِ ہند، جہان استاد، دبیر الدولہ، ناظم جنگ اور نواب فصیح الملک کے خطابات سے نوازا۔ داغؔ آخری عمر تک حیدر آباد میں رہے۔ یہیں 1905 میں ان کا انتقال ہوا۔ داغؔ نے پانچ دیوان چھوڑے جن میں 1028 غزلیں ہیں۔[6]

داغ کے نعتیہ اسلوب کے اقبال پر اثرات:

دہلی کے انقلاب نے بادشاہوں کو گدا کر دیا۔ یہ تبدیلی گویا سیہ بختی کے مترادف تھی۔ دہلوی تہذیب اپنی لطافت، خوش اسلوبی، وضع داری اور مہر و مروت کی روایات کے ساتھ شکست و ریخت کا شکار ہوگئی۔ یہ انقلاب جس نے سلطانی کو مقہوری میں بدل دیا، ایک فنکار اس سے بے نیاز کیسے رہ سکتا تھا۔ داغ اس تہذیبی و ذہنی انتشار سے متاثر ہوئے۔ غم انگیزی جو ان کے فن کا خاصا نہیں، دہلی کی تہذیبی اور سیاسی زندگی کی عکاسی میں گھر کر گئی۔ غدر کے متعلق داغ کا شہر آشوب بھی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ داغ سا خوش طبع شاعر بھی اس انقلاب سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ اس معاشرے کا فرد اور فنکار دونوں دہلی کے غدر سے متاثر ہوئے۔ اس لٹی ہوئی تہذیب کا نوحہ داغ کے فن کا عمدہ نمونہ ہے۔ داغ نے دہلی کے ماضی اور حال کا موازنہ کیا:

"پڑی ہیں آنکھیں وہاں جو جگہ تھی نرگس کی
خبر نہیں کہ اسے کھا گئی نظر کس کی"(7)

داغ نے قتل و غارت، ظلم و ستم، انگریز کی لشکر کشی، آبادی کی زبردستی نقل مکانی اور بے حالی کی منظر کشی اپنے شہر آشوب میں کی ہے اور ساتھ ہی ساتھ فن کے عمدہ نمونے پیش کیے ہیں۔ داغ شوخی و شرارت اور خوش کُن اسلوب کے باعث شہرت رکھتے ہیں لیکن "انھوں نے شدید ترین حوادثِ زندگی کے غم والم کو مسترد کر کے پھینک نہیں دیا بلکہ اس کو شایانِ شان وقار سے آراستہ کر کے یہ بھی سکھایا ہے کہ الم میں ارفعیت اور پاکیزگی کی وہ شان کس طرح پیدا کی جاسکتی ہے جس سے انسان کے کبریا اور ظل الوہیت ہونے کا ثبوت ملتا ہے اور شہر آشوب میں اُن کے غم کو یہ ارفعیت حاصل ہوگئی ہے۔"(8) داغ کا عشق سطحی تھا اور وہ ایک بامراد عاشق تھے اس لیے ان کی شاعری نشاط انگیز ہے۔ شہر آشوب میں بھی غم دوراں تلخی کی صورت اختیار نہیں کرتا بلکہ اس میں زبان و بیان کی خوبیاں بدستور موجود ہیں جو کہ داغ کی پہچان اور ان کا طرۂ امتیاز ہے۔ "ان کے شہر آشوب میں تجربہ غم اور ادب باہم یوں شیر و شکر ہوگئے ہیں کہ ان سے ایک عظیم تر دماغ کی تصویر نکل آئی ہے۔"(9)

"جلی ہیں دھوپ میں شکلیں جو ماہتاب کی تھیں
کھنچی ہیں کانٹوں پہ جو پتیاں گلاب کی تھیں"(10)

[6] Hakīm Sayed Abdul Hai, Gul-e-Rainā, (Azam Garh: Matb' M'ārif, 1921AD), 417.
Makhmūr Saeedi, Dāgh Dehlvi, (Delhi: Sahtia Academy, 2004 AD), 10.

[7] Dāgh Dehlvi, Gulzār-e-Dāgh, (Lucknow: Matb' Anwar-e-Muhammadi), 303.

[8] Sayyed Abdullah, Walī se Iqbāl tak, (Lahore: Maktaba Khyaban-e-Adab, 1966 AD), 292.

[9] Sayyed Abdullah, Walī se Iqbāl tak, 292.

[10] Dāgh Dehlvi, Gulzār-e-Dāgh, 305.

داغ نے شہر آشوب میں غم کو حسنِ بیان کے لباس سے آراستہ کیا ہے۔ داغ کی شاعری کو عموماً ہوس بازی سے تعبیر کیا جاتا ہے لیکن داغ انسانیت کے درد سے بے بہرہ نہ تھے۔ بدلتے ہوئے سماجی حالات اُن پر بھی اثر انداز ہوئے۔ کوئی بھی فنکار اپنے سماج کو یکسر نظر انداز نہیں کر سکتا اور نہ ظلم و جبر کو دیکھ کر صرف ذات کے حصار میں مقید رہ سکتا ہے۔ داغ کا دور ایک بڑی تبدیلی کا دور تھا جو اپنی نوعیت کی منفی تبدیلی تھی۔ ایک بادِ سموم جس نے چمن ویران کر دیا، داغ نے غزل میں بھی اس کا اظہار کیا:

"مرے آشیاں کے تو تھے چار تنکے
چمن اڑ گیا آندھیاں آتے آتے"[11]

داغ کی "دہلی" ردیف میں غزل، دہلی کی تباہی کا مرثیہ ہے۔ یہ غزل مسلسل ہے اس میں دہلی کے اجڑنے کا غم ہے۔ اس کی شان و شوکت، تہذیب و تمدن انقلابِ زمانہ کی نذر ہو گئے۔ اس کی خوشیوں اور خوش باشیوں کو نظر لگ گئی۔ دہلی سے ہندوستانی مسلمانوں کی جذباتی وابستگی بھی تھی یہاں تک کہ داغ بھی اس سے بے نیاز نہ رہ سکے:

"یا خدا مسجدِ جامع کا رہے نام بلند کعبے والے کہیں وہ آئی اذانِ دہلی
آسماں پر سے بھی نوحے کی صدا آتی ہے کیا فرشتے بھی ہوئے مرثیہ خوانِ دہلی"[12]

یہ دہلی کا غم ہے جسے داغ نے موضوع بنایا جبکہ اقبال نے "تصویر درد" میں پورے ہندوستان کے غم کو اپنے پُرسوز اسلوب میں سمو دیا ہے۔ "تصویر درد" اقبال کا احساسِ غم اور حالِ دل ہے جس نے پورے چمن کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے اور چمن کا ذرہ ذرہ اس درد کی تصویر بن گیا ہے۔ اقبال کا درد فرد کی خود ناشناسی سے شروع ہوتا ہے۔ فرد اپنی ذات سے آشنا نہیں اس لیے قوم کا درد بھی محسوس نہیں کر سکتا۔ "تصویرِ درد" کا ایک تہائی حصہ خود آشنائی کی دعوت ہے۔ یہی ناشناسی فرد کا درد بن جاتی ہے اور پھر یہ درد پوری ملّت کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے:

"نہ صہبا ہوں نہ ساقی ہوں نہ مستی ہوں نہ پیمانہ
میں اس مے خانۂ ہستی میں ہر شے کی حقیقت ہوں
مجھے راز دو عالم دل کا آئینہ دکھاتا ہے
وہی کہتا ہوں جو کچھ سامنے آنکھوں کے آتا ہے"[13]

اقبال کا سوزِ دروں انھیں فریاد پر مجبور کرتا ہے اور وہ سراپا درد بن جاتے ہیں۔ یہی صدائے درد ملّت کا غم ہے۔ اقبال کی نگاہِ بصیرت آنے والے دور کی بدحالی دیکھ رہی ہے اور استعماری ہتھکنڈوں اور انگریز کی چیرہ دستیوں سے اہلِ وطن کو بچنے کی تلقین کرتی ہے جو خوابِ غفلت کا شکار ہیں یا ذہنی پستی کے باعث اپنا کردار ادا کرنے کے قابل نہیں رہے۔ اقبال چاہتے ہیں کہ سطحی اختلافات اور فرقہ واریت سے بالاتر ہو کر اہلِ ہندوستاں اپنے وطن کی فکر کریں اور دشمن کے آلہ کار نہ بنیں:

[11] Khwāja Muhammad Zakariya, Kulyāt-e-Dāgh, (Lahore: Alhamd Publications, 2011 AD), 794.
[12] Khwāja Muhammad Zakariya, Kulyāt-e-Dāgh, 794.
[13] Iqbāl, Kulyāt-e-Iqbal, (Lahore: Iqbal Academy, 1990 AD), 83.

"نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستاں والو
تمہاری داستاں تک بھی نہ ہو گی داستانوں میں" (14)

یہ موضوع کی حد تک مرزا کے اثرات ہیں لیکن اقبال کا اسلوب منفرد، موثر اور ان کا کینوس مرزا داغ سے کہیں زیادہ وسیع ہے۔ اقبال نے ابتدائی طور پر شاعری میں اگر کسی کا تلمذ اختیار کیا تو وہ مرزا داغ ہی تھے۔ اقبال نے داغ کے رنگ میں غزلیں بھی کہیں لیکن جلد ہی اپنے منفرد فکر و اسلوب کی طرف آ گئے۔ انھوں نے داغ کی وفات پر مرثیہ لکھا ہے جو مٹتی ہوئی تہذیب کا نوحہ بھی ہے۔ داغ اس تہذیب کی آخری یادگار ہیں۔ یہ ایک بہترین خراجِ تحسین ہے جو ایک فنکار دوسرے کو پیش کر سکتا ہے۔ تہذیب کی وہ روایت جو میر و غالب سے ہوتی ہوئی داغ تک پہنچی تھی آج اس کا آخری چراغ گل ہو گیا ہے۔ اقبال نے خصوصاً داغ کی طرزِ ادا کو خراجِ عقیدت پیش کیا ہے جو ان کا طرۂ امتیاز تھی۔ داغ کی فنی اہمیت ان کے اسلوب کے باعث ہی ہے۔ طرزِ دہلوی کی نفاست و لطافت، اس کی رنگیں بیانی اور سوزِ سخن کسی بھی صاحبِ ذوق کا دل موہ لینے کو کافی ہیں۔ دہلی کو تہذیب و تمدن اور علم و ہنر میں مرکز کی حیثیت حاصل تھی۔ اور پھر دہلی مسلمانوں کی عظمت کا نشان بھی تھی۔ اس گہوارۂ علم و ہنر کی بربادی اقبال کو خون کے آنسو رلاتی ہے۔ داغ کی مفارقت اس داغ کو دوچند کر دیتی ہے:

"اے جہاں آباد اے سرمایۂ بزمِ سخن!
ہو گیا پھر آج پامال خزاں تیرا چمن"(15)

اقبال کی داغ کے ساتھ نظریاتی ہم آہنگی نہ تھی۔ اسی لیے انھوں نے آگے چل کر داغ کے رنگ کو ترک کر دیا اور داغ کے رنگ میں کہی ہوئی غزلیں بھی متروک ٹھہریں لیکن داغ کے اسلوب کے اثرات تا دیر رہے۔ اقبال نے مختلف شعرا کا اثر قبول کیا لیکن ان کا اپنا رنگ سب سے جداگانہ ہے۔ "دراصل اقبال ایک نودمیدہ پودے کی طرح مختلف اطراف سے اثر قبول کر رہے تھے۔ پودا زمین سے بھی اثر لیتا ہے، سورج کی روشنی سے بھی، دوسرے فضائی عناصر سے بھی۔"(16) پروفیسر جگن ناتھ آزاد نے اقبال پر داغ کے اثرات کا تفصیلی جائزہ لیا ہے اور جو غزلیں داغ کے رنگ میں پیش کی ہیں وہ انتہائی پھیکی غزلیں ہیں جن کا اقبال کو اقبال بنانے میں کوئی کردار نہیں شاید اسی لیے متروک ہیں۔ البتہ داغ کا اسلوب اور کسی حد تک نعتیہ اسلوب اقبال پر اثر انداز ہوا۔

داغؔ کی وجہ شہرت زبان و بیان کا کمال ہے۔ دبستانِ دہلی کی خصوصیات سادگی، سلاست اور سوز و گداز ہیں۔ داغؔ کے ہاں سوز و گداز تو نہیں البتہ زبان کی سادگی، صفائی، شستگی اور بیان کی نفاست ان کا خاص انداز ہے۔ روز مرہ اور محاورہ پر ان کی دسترس بیان میں خوبیاں پیدا کرتی چلی جاتی ہے۔ تمام ناقدین ان کی زبان دانی اور خوش بیانی کے مداح ہیں۔ "زبان پر ان کا غیر معمولی احسان ہے کہ ان کے کلام میں زبان کا چٹخارہ، سلاست، صفائی، سادگی، شستگی، سحر آفرینی، رنگینی، شوخی، چلبلاہٹ، تیزی و طراری، شیرینی اور گھلاوٹ بلا کی پائی جاتی ہے۔" (17) دبستانِ لکھنؤ میں علم بیان و بدیع کو دانستہ اشعار کی زینت بنایا جاتا۔ داغؔ کے کلام میں یہ خوبی نہایت فطری انداز میں در آئی ہے جس سے کسی مصنوعی پن کا احساس نہیں ہوتا۔ ان کے الفاظ فصیح و شیریں ہیں۔ بندش چست ہے، شوخ بیانی و خاص طرزِ ادا،

[14] Iqbāl, Kulyāt-e-Iqbal, 84.
[15] Iqbāl, Kulyāt-e-Iqbal,101.
[16] Jagan Nāth Azād, Iqbal par Dāgh ke Asrāt, Mashmūla: Iqbal Quarterly, (Lahore: Iqbal Academy 1990 AD), 133.
[17] Kāmil Qureshi, Dāgh Dehlvi: Hayāt aur Karname, (Delhi: Urdu Academy,1997 AD), 10.

وسعتِ تخیل اور جدت وندرت، نیز پرانے خیالات کو اپنے منفرد طرزِ نگارش، مٹتی ہوئی تہذیب کے پس منظر میں فرد اور معاشرے کی کسمپرسی، بے کسی اور تباہ حالی کو گوارہ بنادیتا ہے۔" داغؔ ہماری تہذیب کا آخری نمائندہ تھا۔ اس کے بعد جو شعراء سامنے آتے ہیں ان کے ہاں وہ رچا ہوا انداز اور ارضی خُو بُو کم نظر آتی ہے جو داغؔ کی شاعری کا طغرائے امتیاز ہے۔" [18] داغ نے اس مٹتی ہوئی تہذیب کی عکاسی کی ہے جس میں سسکتی انسانیت کا پرسانِ حال کوئی نہ تھا۔ ایسی صورتحال میں جذبات مرجاتے ہیں۔ محض وحشت وبربریت باقی رہ جاتی ہے۔ داغؔ اسی دور کے نمائندہ شاعر ہیں اس تناظر میں ان پر فحش گوئی اور جذباتی تنزل کا الزام بھی کسی حد تک کم ہوجاتا ہے اور شاعری کی لطافت احساس کو زندہ رکھتی ہے۔"سوچنے کی بات یہ ہے کہ اس زندگی کش دور میں اردو شاعری کو داغؔ جیسا شاعر نہ ملتا تو یہ شاعری زندہ بھی رہتی یا نہیں اور اگر زندہ رہتی بھی تو کس حال میں زندہ رہتی۔ کیونکہ اتنی بات تو صاف ہے کہ شاعری کی اساس، جذبات واحساسات ہوتے ہیں اور جب تک انسان کا وجود ہے یہ جذبات واحساسات باقی رہیں گے۔" [19] گو کہ ان کے جذبات میں ترفع نہیں اور اسی باعث "داغؔ کی شاعری کی وہ شہرت اور مقبولیت آج نہیں ہے جو ان کی زندگی میں تھی کیونکہ آج وہ لوگ اس دنیا میں نہیں جو ان کے مخاطب صحیح تھے۔ لیکن ان کی شاعرانہ اہمیت اور ان کی شاعری کی فنی قدر وقیمت سے آج بھی انکار ممکن نہیں۔ وہ ان معنوں میں بڑے شاعر نہیں ہیں جن معنوں میں مثال کے طور پر ہم میرؔ، غالبؔ یا اقبال کو بڑا شاعر کہتے ہیں لیکن اردو کے اہم شاعروں میں ہمیشہ ان کا شمار ہوگا اور یہ اعزاز بھی کچھ کم نہیں ہے۔" [20]

اقبال داغ کے جس اسلوب سے اثر پذیر ہوئے، رنگِ داغ ترک کرنے کے بعد بھی اس کے اثرات باقی رہے۔ اسے تقلیدی روش نہیں کہا جاسکتا لیکن اقبال کو جو داغ سے عقیدت تھی، داغ کی عشق کی تصویر کشی کے باعث حسن ونفاست میں داغ کا رنگ نظر آتا ہے۔ جگن ناتھ آزاد نے بھی اس کی نشاندہی کی ہے۔ باغ و گل ولالہ ونرگس کا بیان، شوخی وبیباکی، محبوب کی نگاہِ ناز کا کمال، لذت ہجر و وصال داغ واقبال دونوں کے ہاں نظر آتی ہے۔ اگرچہ ان کے مضامین میں بُعد المشرقین ہے لیکن "بنتی نہیں ہے بادہ وساغر کہے بغیر" کی مثال صادق آتی ہے۔

داغ غزل کے شاعر ہیں جو فارسی زبان کی ایجاد ہے۔ عربوں کے قصائد کی تشبیب میں تغزل ہوتا تھا وہ تمہیدی ٹکڑا مسلسل ہوتا۔ فارسی والوں نے اس ٹکڑے کو کاٹ کر غزل بنالیا اور غزل کو درد وغم اور عشق ومحبت سے مخصوص کردیا لیکن رفتہ رفتہ اس میں مختلف مضامین درآئے۔" ایک شعر میں غم دوسرے میں مسرت، تیسرے میں محبت، چوتھے میں عداوت، پانچویں میں تصوف، چھٹے میں اخلاق یہ صورت فارسی اور اردو غزل کی تمام عالم کی شاعری سے نرالی ہے۔" [21] داغؔ کی غزل میں کہیں کہیں نعتیہ اشعار بھی اسی صورت میں نظر آتے ہیں وہ بنیادی طور پر غزل گو تھے لیکن رباعی، قصیدہ، حمد، نعت اور سلام میں بھی طبع آزمائی کی۔" داغؔ شاعری کی ان تمام اصناف پر قادر تھے، جو ان کے زمانے میں مروج تھیں۔" [22] وہ پُر گو شاعر اور نہایت ذہین وبذلہ سنج انسان تھے ان کا حلقۂ

[18] Zaheer Ahmad Siddiqui, Dāgh ka Nazriya-e-Fan Mashmūla: Dāgh Dehlvi: Hayāt aur Karname, (Delhi: Urdu Academy, 1997 AD), 78.

[19] Dr.Salahuddin, Dāgh ka Dabistan-e-Shayri Mashmūla: Dāgh Dehlvi: Hayāt aur Karname, (Delhi: Urdu Academy, 1997 AD), 332.

[20] Makhmūr Saeedi, Dāgh Dehlvi, (Delhi: Sahtia Academy, 2004 AD), 10.

[21] - https://rekhta.org/ebooks/muqaddama-kmal-e-dagh-hamid-hassan-qadri-ebooks#

[22] https://rekhta.org/ebooks/muqaddama-kmal-e-dagh-hamid-hassan-qadri-ebooks#

احباب بڑا وسیع تھا اور ڈیڑھ ہزار کے قریب شعراء ان کے دائرہ تلمذ میں تھے۔ "داغؔ نہ صرف اپنے زمانے کے مقبول ترین شاعر تھے بلکہ انھوں نے اپنی زندگی ہی میں ایک دبستان کی حیثیت اختیار کر لی تھی۔"[23] ان کا اسلوب برجستگی، روانی و سلاست اور فصاحت و بلاغت کا مرقع ہے۔ کم و بیش یہی خصوصیات داغؔ کے نعتیہ اسلوب کی ہیں ان کی نعت سوزِ دروں اور جذبِ عشق سے عاری ہونے کے باعث کوئی خاص تاثیر نہیں رکھتی لیکن زبان و بیان میں منفرد ہے:

"سر سبز کشتِ دل ہے محمدؐ کے عشق میں
کیا اس زمین میں کام ربیع و خریف کا"[24]

ربیع و خریف کے متضاد الفاظ اور کشتِ دل کی شادابی کا احساس، جسے خزاں سے واسطہ نہیں داغؔ کا اسلوب ہے دل کی کھیتی نبی ﷺ پاک کے عشق کے باعث ہمیشہ شاداب رہتی ہے۔ اسی طرح حسب ذیل شعر میں بیان کی خوبی کے ساتھ شانِ محبوبی بھی نظر آتی ہے:

"ابھی فرش سے عرش مل جائے جھک کر
کریں گر طلب کا اشارہ محمد"[25]

متضاد الفاظ سے شعر کی معنویت اور حسن دونوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ حضور ﷺ محبوبِ کبریا ہیں اور اس شعر میں شانِ کُن فیکون کا مظہر بھی ہیں۔ یہ نعتیہ شعر کلاسیکی شاعری کی روائت کا امین بھی ہے جہاں محبوب کی طلب پر اک اشارے میں عرش اور فرش ایک ہو جاتے ہیں۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم اللہ کی اولین مخلوق ہیں۔ آپ ﷺ کا وجود مبارک تمام انبیائے کرام کے لئے حرزِ جاں اور آپ ﷺ کا اسم گرامی سب کے وردِ زباں رہا ہے:

"وہیں کشتئ نوح بھی ڈوب جاتی
نہ دیتے جو اس کو سہارا محمد ﷺ"[26]

شعر میں تلمیح ہے کشتی نوح کی نجات اور آپ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی شان کا بیان ہے۔ آپ ﷺ عالمین کا آسرا ہیں۔ عشق میں آرزو کا پیدا ہونا شاعری کی روائت کا حصہ ہے۔ آرزو کا مرکز دل ہوتا ہے جو محبوب کی جستجو میں ہے دل میں آرزو پنہاں اور آنکھ سے عیاں ہوتی ہے یوں چشم و دل عشق میں ہم سفر ہیں:

"خدا دے تو دے آرزوئے محمد ﷺ"
کریں چشم و دل جستجوئے محمد ﷺ[27]
کہاں باغِ جنت کہاں باغ یثرب
کہاں بوئے گل اور بوئے محمد ﷺ"[28]

[23] Makhmūr Saeedi, Dāgh Dehlvi, (Delhi: Sahtia Academy, 2004 AD), 8.
[24] Makhmūr Saeedi, Dāgh Dehlvi, (Delhi: Sahtia Academy, 2004 AD), 8.
[25] Khwāja Muhammad Zakariya, Kulyāt-e-Dāgh, (Lahore: Alhamd Publications, 2011 AD),36.
[26] Khwāja Muhammad Zakariya, Kulyāt-e-Dāgh, (Lahore: Alhamd Publications, 2011 AD), 144.
[27] Khwāja Muhammad Zakariya, Kulyāt-e-Dāgh, (Lahore: Alhamd Publications, 2011 AD), 144.

بوئے گل کو باغِ جنت سے مناسبت ہے اور بوئے محمد ﷺ کو باغِ یثرب سے۔ اس طرح شعر میں صنعتِ لف و نشر بھی پیدا ہوتی ہے۔ بین السطور باغِ یثرب، باغِ جنت کے لئے باعث رشک ہے جو کہ محبوب کا مسکن ہے اردو شاعری کی روائت میں محبوب کی گلی رشکِ فردوس ہوا کرتی ہے۔ داغ کا منفرد لب ولہجہ، ان کی شگفتہ بیانی، حسنِ کلام اور بیان کی روانی نعت میں بھی اپنا رنگ دکھا رہی ہے:

"خوشی سے اُبل جائیں تسنیم و کوثر
جو مل جائے آبِ وضوئے محمد ﷺ
بھریں خضرؑ بھی سامنے جن کے پانی
زہے عزت و آبروئے محمد ﷺ"[29]

تسنیم و کوثر کی روانی داغؔ کی سلاست وروانی سے مل جاتی ہے پانی بھرنے کا محاورہ بر محل استعمال کیا ہے۔ داغؔ قادر الکلام شاعر ہیں۔ انھیں دانستہ قافیہ بندی اور ردیف کا اہتمام نہیں کرنا پڑتا خیال کی سادگی اور صفائی خودبخود نعتیہ قالب میں ڈھل گئی ہے:

"اے داغؔ شعر ڈھل گئے نعتِ شریف میں
ہے فکرِ قافیہ نہ تردد ردیف کا"[30]

چند افعال، اسما یا الفاظ کو دہرا کر ترنم، موسیقیت، لطف زبان اور زورِ بیان پیدا کرتے ہیں۔ داغؔ اپنے کلام میں زور پیدا کرنے کے لئے الفاظ کی تکرار سے بھی کام لیتے ہیں۔ نعت میں بھی یہ اسلوب نظر آتا ہے ملاحظہ کیجئے ردیف اور قافیہ میں قافیہ در قافیہ کی کیفیت سے زور کلام اور بڑھ گیا ہے:

"تُو جو اللہ کا محبوب ﷺ ہوا خوب ہوا
یا نبی ﷺ خوب ہوا، خوب ہوا، خوب ہوا
حشر میں اُمتِ عاصی کا ٹھکانہ ہی نہ تھا
بخشوانا تجھے مرغوب ہوا، خوب ہوا
حسن یوسفؑ میں ترا نور تھا اے نورِ خدا
چارۂ دیدۂ یعقوبؑ ہوا ، خوب ہوا"[31]

اقبالؒ، داغؔ کے شاعرانہ اسلوب سے متاثر تھے۔ داغؔ کی نعت گوئی کے کچھ پہلو اقبال کی نعت گوئی پر اثر انداز ہوئے ہیں۔ داغؔ کا نعتیہ شعر ہے:

"اے داغؔ آدمی کی رسائی تو دیکھنا
سر پر دھرے ہیں عرش نے خیر البشر کے پانو"[32]

[28] Khwāja Muhammad Zakariya, Kulyāt-e-Dāgh, (Lahore: Alhamd Publications, 2011 AD), 654.
[29] Khwāja Muhammad Zakariya, Kulyāt-e-Dāgh, (Lahore: Alhamd Publications, 2011 AD), 654.
[30] Khwāja Muhammad Zakariya, Kulyāt-e-Dāgh, (Lahore: Alhamd Publications, 2011 AD), 37.
[31] Khwāja Muhammad Zakariya, Kulyāt-e-Dāgh, (Lahore: Alhamd Publications, 2011 AD), 457.
[32] Khwāja Muhammad Zakariya, Kulyāt-e-Dāgh, (Lahore: Alhamd Publications, 2011 AD), 259.

یہی خیال اقبال کے ہاں بھی نظر آتا ہے:

"سبق ملا ہے یہ معراجِ مصطفیؐ سے مجھے
کہ عالمِ بشریت کی زد میں ہے گردوں"(33)

داغؔ نے آپ ﷺ کو پھول سے تشبیہ دی ہے جس کی خوشبو سے عالمین مہک رہے ہیں:

"دونوں جہاں میں بوئے محمدؐ ہے عطر بیز
کونین میں ہے رنگ فقط ایک پھول کا"(34)

اقبال نے "جوابِ شکوہ" کے آخر میں یہی مضمون باندھا ہے:

"ہو نہ یہ پھول تو بلبل کا ترنم بھی نہ ہو
چمنِ دہر میں کلیوں کا تبسم بھی نہ ہو
یہ نہ ساقی ہو تو پھر مے بھی نہ ہو خم بھی نہ ہو
بزمِ توحید بھی دنیا میں نہ ہو تم بھی نہ ہو
خیمہ افلاک کا اِستادہ اسی نام سے ہے
نبضِ ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے"(35)

داغؔ عشقِ رسول ﷺ میں ذات محمد ﷺ اور روئے محمد ﷺ کے تصور میں درود شریف کو ضروری گردانتے ہیں اور درود کی عظمت و برکت کا احساس دلاتے ہیں:

"صلے علیٰ ہے نامِ محمد ﷺ میں کیا اثر
درماں دلِ علیل و حزین و ملول کا(36)
کہوں کیوں نہ ہر بار صلے علیٰ میں
تصور میں پھرتا ہے روئے محمد ﷺ" (37)

یہی خیال اقبال نے اپنے پُرسوز اسلوب میں پیش کیا ہے:

"کافر ہندی ہوں میں ، دیکھ میرا ذوق و شوق
دل میں صلوٰۃ و درود ، لب پہ صلوٰۃ و درود"(38)

---

33 Iqbāl, Kulyāt-e-Iqbal, (Lahore: Iqbal Academy, 1990 AD), 40.
34 Khwāja Muhammad Zakariya, Kulyāt-e-Dāgh, (Lahore: Alhamd Publications, 2011 AD),583.
35 Iqbāl, Kulyāt-e-Iqbal, (Lahore: Iqbal Academy, 1990 AD), 220.
36 Iqbāl, Kulyāt-e-Iqbal, (Lahore: Iqbal Academy, 1990 AD), 583.
37 Iqbāl, Kulyāt-e-Iqbal, (Lahore: Iqbal Academy, 1990 AD), 654.
38 Iqbāl, Kulyāt-e-Iqbal, (Lahore: Iqbal Academy, 1990 AD), 98.

الغرض داغؔ کے نعتیہ اسلوب کے اقبال پر اثرات تحقیق و تنقید میں ایک اضافہ ثابت ہو سکتا ہے اور اگر ایم۔اے یا بی۔ایس کی سطح کے مقالے کا عنوان ہو تو یقیناً دلچسپی کا باعث ہو گا۔